محمد جعفر پھلواروی

موسیقی کی حِلّت و حُرمت

(۲)

اگست کے "ثقافت" میں پہلی قسط شائع ہو چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) تحلیل و تحریم صرف خدا کا حق ہے۔ رسول تک کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

(۲) کسی چیز کی حرمت (بمقابلۂ فرض) ثابت ہونے کے لئے (حنفی اصول کے مطابق) یہ ضروری ہے کہ وہ ناقابلِ تاویل اور ناقابلِ نسخ آیت قرآنی سے صراحۃً ثابت ہو یا پھر کوئی متواتر حدیث ہو جو اپنے مفہوم میں بھی قطعی ہو۔

(۳) غنا و موسیقی کے لئے ایسی کوئی آیت یا حدیث آج تک دریافت نہیں ہو سکی۔ اس لئے اپنی طرف اسے حرام کہنا اپنی ربوبیت کا اعلان کرنا ہے۔ اس صورت میں تو یہ واجب ہے۔

(۴) جو چند احادیث موسیقی یا آلاتِ موسیقی کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں وہ باجماع محدثین سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں اور ان کا ایک حرف بھی صحیح نہیں اس لئے اسے مکروہ تحریمی تو درکنار مکروہ تنزیہی بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اب اس کی دوسری قسط ملاحظہ ہو۔ اس کے مباحث یہ ہیں:

(۱) جو چیزیں جنت میں حلال ہیں وہ یہاں بھی حلال ہیں۔

(۲) اگر وہ یہاں حرام کر دی گئی ہیں تو یہ حرمت دائمی نہیں بلکہ بربنائے مصالح ہے اور وقتی ہے۔

(۳) تفسیر حبرۃ بمعنی نعماتِ بہشت بالکل صحیح ہے۔

(۴) لفظ حبرۃ (یحبرون) کی تحقیق۔

(۵) حلتِ غنا پر اجماعِ صحابہ اور اجماعِ اُمت ہے۔

خمرِ جنّت ایک اور تماشا ملاحظہ ہو۔ مولانا لکھتے ہیں کہ شراب جنت میں حلال اور دنیا میں حرام ہے۔ مگر دونوں شرابوں میں کوئی تمیز نہیں پیدا فرمائی جس سے ایک بڑا مغالطہ پیدا ہو گیا ہے۔ خمر نص قطعی سے حرام ہے۔ لیکن وہ جنت میں جائز ہے بنص قرآنی خمر از روئے قرآن رجس من عمل الشیطٰن (عملِ شیطانی کی ایک پلیدی) ہے اور اُس کے نقصانات کے متعلق ارشاد قرآنی ہے کہ واثمھما اکبر من نفعھما (اس کا گناہ نفع سے زیادہ ہے) نیز

ارشاد ہے کہ یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر (شیطان خمر و قمار کے ذریعے تم میں عداوت و بغض ڈالنا چاہتا ہے)

اب یہاں ذرا غور و فکر سے کام لے کر بتائیے کہ :

کیا جنت میں یہی شراب جائز ہوگی؟ وہ جنت کیا ہوئی جہاں شیطانی رجس، اثم اور باہمی عداوت و بغض ہو اور ان سب کو پیدا کرنے والی مے وہاں جائز ہو جائے؟ ایک معمولی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بادہ نوشی قطعاً جنت میں بھی حرام ہی رہے گی۔ وہاں جو انہٰر من خمر لذۃ للشٰربین ہونگی ان میں نہ رجس ہے، نہ اثم ہے، نہ باہمی بغض و عناد، نہ نشہ اور مخامرت عقل۔ بلکہ لا یصدعون عنہا ولا ینزفون۔ نہ درد سر ہوگا نہ نشے والی بکواس۔ لا لغو فیہا ولا تاثیم۔ نہ فحش گفتگو ہوگی نہ گناہ کی باتیں۔ غرض رجس شیطانی کا کوئی شائبہ نہ ہوگا۔ جنت میں یہی بادۂ گلگوں جائز ہے نہ کہ موجودہ شراب۔ اگر ان اعلیٰ اوصاف کا خمر یہاں دنیا میں تیار ہو سکے تو اس کے جواز میں شک کرنا ہی حماقت ہے۔ ایسی مے ملے تو میں بڑے بڑے فقیہوں کو قبر سے بیدار کرکے پلاؤں۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جنت میں وہی شراب جائز ہے جو یہاں بھی جائز ہے اور جو یہاں حرام ہے وہ وہاں بھی قطعاً حرام بلکہ اشد حرام ہے۔ معلوم نہیں لوگوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نکال لیا کہ بہت سی چیزیں یہاں حرام ہیں اور جنت میں جائز ہیں۔ یعنی جنت ایک ایسی جگہ کا نام ہے جہاں حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور خدا نے ان ہی چیزوں کو یہاں حرام کیا ہے جن کو بہشت میں خاص طور پر حلال کرنا مقصود تھا۔ یعنی جنت جیسا مقعد صدق ایک ایسی گھٹیا قسم کی سوسائٹی ہے جہاں بدمعاشیاں جائز اور حرام چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں نعوذ باللہ۔ یہ مقعد صدق تو نہ ہوا۔ البتہ مقعد صدق جدید ہو سکتا ہے۔

خمر کی علتِ حرمت

خمر صرف نشے یا مخامرت عقل کی وجہ سے حرام ہے کل ما اسکر فھو حرام۔ اگر یہ خاصیت سلب ہو جائے تو وہی خمر عین حلال ہو جاتا ہے۔ ذرا ملّا جیون سے دریافت کیجئے جو فرماتے ہیں کہ "خمر" (انگوری شراب) نص قطعی سے حرام ہے اور مستوجب حد ہے۔ لہٰذا اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو لیکن۔۔۔۔

وغیرھا لا یحرم ولا یستوجب الحد ما لم یسکر۔

انگوری شراب کے علاوہ اور عقلی شرابیں تلوہ جب تک نشہ نہ پیدا کریں اس وقت تک نہ وہ حرام ہیں نہ سزاوارِ حدّ (تعزیر)۔ (نور الانوار صفحہ ۹۹)

مجھ سے نہیں بلکہ ملا جیون سے دریافت کیجئے کہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام والی حدیث کیوں نہ ان کے سامنے آئی؟

یہی صورت ریشم اور سونے کی ہے جسے یہاں حرام اور جنت میں حلال بتایا جاتا ہے۔

سونے اور ریشم کی حرمت ریشم اور سونا ایسا ہی حرام ہوتا تو حضورؐ دو انگل ریشم کی اور سونے کے دانت اور سونے کی ناک کی اجازت کیوں دیتے؟

یہ قلیل وکثیر کی باتیں ہیں۔ آگے بڑھئیے اور نظر اٹھا کر دیکھئیے کہ سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کا طلائی کنگن ڈالا جارہا ہے۔ یہ حضور کی پیش گوئی تھی۔ اگر سونا ایسا ہی حرام ہوتا تو یہ کون سی قابلِ فخریات تھی جس کی حضورؐ نے خوش خبری دی؟ کیا حضورؐ کا یہ مقصد تھا کہ سراقہ تجھے مبارک ہو تجھ سے عنقریب ایک بڑا حرام کام ہونے والا ہے؟ پھر صحابہ میں زید بن حارث، زید بن ارقم، براء، انس اور عبداللہ بن یزید تو مستقلاً سونے کی انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔ (طبرانی عن حمید بن عبداللہ) اور حضرت براء کو تو خود حضورؐ نے سونے کی انگوٹھی دی اور فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول جو تمہیں پہنائے اسے پہنے رہو۔ (احمد و موصلی عن محمد بن مالک) پھر عبداللہ بن عمر اپنے غلام کو سونے کی ہنسلی پہناتے تھے اور ابوہریرہ ریشم کے رومال سے تھوک صاف کرتے تھے۔

کس نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ سونا اور ریشم یہاں حرام اور جنت میں حلال ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں حرام ہوتیں تو خمر کے ساتھ اس کا ذکر کردینا قرآن نازل کرنے والے کے لئے کیا مشکل تھا؟

معاشی عدل بات صاف ہے کہ ریشم اور سونے کی حرمت ابدی حرمت نہیں۔ یہ معاشی انصاف کا تقاضا ہے اور اس وقت تک اسے ناجائز ہی سمجھنا چاہئے جب تک ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو یہ چیزیں یکساں سہولت کے ساتھ نصیب نہ ہوں۔ ایک وقت اجتماعی حیثیت سے قوم پر ایسا بھی آسکتا ہے کہ اس کے ایک فرد کے لئے بھر پیٹ کھانا بھی ناجائز ہو۔ اور پھر دوسرا وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ تمام افراد لباس زریں زیب تن کرکے خدا کا شکر ادا کریں۔

معاشی مساوات کا مطلب جناب مدیر الارشاد نے دریافت فرمایا ہے کہ اگر معاشی عدل کے تقاضوں سے سونا حرام کیا گیا تھا تو عورتوں کے لئے کیوں جائز رکھا گیا؟ انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب بعض یا کل عورتوں کے لئے بھی سونے کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے۔ معاشی مساوات کے یہ معنی تو نہیں کہ ہر حال میں ہر حیثیت سے مرد و زن کو یکساں کردیا جائے۔ اگر کوئی کہے کہ اپنی تمام اولاد کو ایک نظر سے دیکھو اور مساوات برتو تو اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے اگر اپنے جوان لڑکے کو پلاؤ کھلا رہے ہو تو شیر خوار بچے کو بھی وہی کھلاؤ۔ عدم مساوات تو جب ہوتی کہ بعض مردوں کے لئے حضور اسے جائز اور بعض عورتوں کے لئے ناجائز کرتے۔

احوال وظروف کا فرق۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہند بنت ہبیرہ کے ہاتھ میں حضور نے موٹی موٹی سونے کی انگشتریاں

دیکھیں تو ان کے ہاتھ پر ضرب لگانے لگے۔ ہند جناب فاطمہ بنت رسول اللہ کے پاس اس کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت فاطمہ نے اپنی گردن سے سونے کی زنجیر اُتار کر ہاتھ میں رکھ لی۔ اتنے میں حضور تشریف لائے اور ہاتھ میں وہ طلائی زنجیر دیکھ کر فرمایا:

یا فاطمۃ ایغرک ان یقول الناس ابنۃ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و فی یدھا سلسلۃ من نار؟

اے فاطمہ کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟

اس کے بعد حضرت فاطمہ نے اس کو فروخت کرکے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ اس پر حضور نے فرمایا:

الحمد للہ الذی انجی فاطمۃ من النار

اس خدا کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے رہائی دی۔ (رواہ النسائی عن ثوبان)

اس حدیث کو غور سے پڑھئے۔ وہی سونا ہے جو عورتوں کے لئے حلال ہے لیکن ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ہند بنت ہبیرہ کے ہاتھ پر سونے کی انگشتری دیکھ کر ضربیں لگائی گئیں اور فاطمہ کی طلائی زنجیر کو آگ کی زنجیر قرار دیا گیا۔ پھر دوسرا دور آیا کہ مردوں کے لئے جو سونا حرام تھا اسی کی انگشتریاں ہنسلیاں اور کنگن جائز ہو گئے۔ یہ سب کچھ مختلف احوال وظروف، جداگانہ عصری تقاضے اور الگ الگ مصالح واجتہادات ہیں۔

یہی ریشم جو عورتوں کے لئے جائز ہے عبداللہ بن زبیر کی نگاہ میں عورتوں کے لئے بھی جائز نہ تھا وہ فرماتے ہیں:

لا تلبسوا نساءکم الحریر فانی سمعت عمر یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تلبسوا الحریر فانہ من لبسہ فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرۃ۔ (شیخین وترمذی ونسائی عن ابن زبیر)

اپنی عورتوں کو ریشم نہ پہناؤ کیونکہ میں نے حضرت عمر کو یہ حدیث نبوی بیان کرتے سُنا ہے کہ ریشم نہ پہنا کرو کیونکہ جو یہاں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

ان تمام باتوں پر غور فرمائیے اور پھر سوچئے کہ کیا بات یہی ہے کہ کچھ چیزیں یہاں حرام اور جنت میں حلال ہو جائیں گی۔ واقعہ یہ ہے اس دنیا میں وہی ریشم، وہی سونا حرام ہے جو انفرادی ہو۔ اور جنت یہ سب کچھ اس لئے حلال ہے کہ اجتماعی ہے۔ ولباسھم فیھا حریر۔ ان سب کا لباس ریشمی ہو گا نہ یہ کہ بعض کو ریشم ملے گا اور بعض کو کھدر بھی نصیب نہ ہو۔ یحلون فیھا من اساور من ذھب ..... ان سب کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے ـــ یہ نہیں ہو گا کہ مولانا عبدالماجد دریا بادی تو ریشمی عبا اور سونے کے کنگن پہنے حوروں کے جھرمٹ میں بیٹھے ہوں اور محمد جعفر پھلواروی کو چاندی کی انگشتری بھی نصیب نہ ہو۔ حوروں کا ذکر آگیا ہے تو ایک بات اور بھی سُن لیجئے:

چار بیویوں کی حد بندی

صدقِ جدید کے مراسلہ نگار نے ایک اَور چیز کا بھی مزے لے لے کر ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں جائز نہیں لیکن جنت میں اس کی پابندی نہیں ہوگی — مولانا کے ذہن میں وہی فی کس ستر ستر حوریں رقص کر رہی ہیں۔ نہیں توبہ رقص و سرود تو ایسی حرام چیز ہے جو جنت میں بھی ان کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ ماننے کے باوجود کہ یہاں کی بعض حرام چیزیں جنت میں جائز ہیں غنا سے ان کو اتنا زیادہ عناد ہے کہ اسے جنت میں بھی جائز ماننے کو تیار نہیں۔ ورنہ یحبرون والی آیت میں حبرہ کے معنی نغمہ و سرود لینے میں اتنی ہچکچاہٹ کیوں ہوتی۔

مولانا مجیب اللہ کے نزدیک دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں کر سکتے اور جنت میں اس کی کوئی پابندی نہیں۔ موصوف نے قرآن سے یا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا کہ وہاں بے شمار بیویاں (حوریں) ہر فرد کے حصے میں آئینگی۔ بہر حال ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہاں مولانا کو خاص طور پر ستر حوریں ملیں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا ہے کہ دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں حرام ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا تو اسلامی معاشرے کا کام ہے کہ کس دَور میں کسے کتنی بیویاں رکھنے کی اجازت دے۔ اسلامی معاشرہ کسی کے لئے آٹھ، کسی کے لئے چار، کسی کے لئے صرف ایک کی اجازت دے سکتا ہے اور وہ چاہے تو کسی کو ایک سے بھی روک دے۔ ہمیں علم ہے مولانا اور وہ تمام حضرات جو ستر حوروں کے انتظار میں بیٹھے ہیں ہمارے اس بیان پر سخت برہم ہونگے۔ سو گزارش ہے کہ اپنا یہ غصہ ہم پر نہیں بلکہ امام شوکانی پر اُتارئیے جو لکھتے ہیں:

كيف يصح اجماع خالفته الظاهرية وابن الصباغ والعمراني والقاسم بن ابراهيم نجم آل الرسول وجماعة من الشيعة وثلة من محققي المتأخرين وخالفه ايضا القرآن الكريم لما بيّناه وخالفه ايضا فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم .... واما حديث امره صلى الله عليه وسلم لغيلان لما اسلم وتحته عشر نسوة بان يختار منهن اربعا ويفارق سائرهن كما اخرجه الترمذي وابن ماجة وابن حبان فهو وان كان له طرق فقد قال ابن عبد البر كلها معلولة واعله غيره من الحفاظ بعلل اخرى ۔

(یہ پوری عبارت شوکانی کی وبل الغمام سے نواب سید صدیق حسن خانؒ نے اپنی کتاب ظفر اللاضی بما یجب فی القضاء علی القاضی ص ۱۴۲ میں نقل فرمائی ہے)

(چار بیویوں سے زیادہ کی حرمت پر اجماعِ اُمت کا دعوےٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ فرقۂ ظاہریہ، ابنِ صباغ، عمرانی، قاسم بن ابراہیم نجم آل الرسول نیز شیعوں کی ایک جماعت اور متاخرین کی ایک محقق جماعت یہ سب کے سب اس کے خلاف ہیں (یعنی کوئی بھی ان میں چار کی تحدید کا قائل نہیں) نیز

یہ خود قرآن کے بھی خلاف ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ نیز خود فعل نبوی کے بھی خلاف ہے ...... رہی ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان کی وہ حدیث جس میں حضور نے غیلان کو حکم دیا تھا کہ اپنی دس بیویوں میں سے کسی چار کو رکھ کر باقی کو چھوڑ دیں تو اگرچہ اس کی کئی اسناد ہیں لیکن ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ سب معلول ہیں اور دوسرے حفاظ محدثین نے اس کی دوسری دوسری علتیں بھی بیان کی ہیں۔

اسی کتاب کے صفحہ ۴ کے حاشئے پر نواب صاحب امام شوکانی کی ایک اور کتاب سیل الجرار سے یہ عبارت نقل فرماتے ہیں:

اما الاستدلال علی تحریم الخامسۃ وعدم جواز زیادۃ علی اربع بقولہ عز وجل: مثنیٰ وثلث ورٰبع فغیر صحیح کما اوضحتہ فی شرحی للمنتقی۔

قرآن کے الفاظ "مثنیٰ وثلث وربع" سے یہ استدلال کرنا کہ پانچویں بیوی حرام ہے یا چار سے زیادہ بیویاں کرنا ناجائز ہے، صحیح نہیں۔ میں شرح منتقی میں بھی اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔

نواب صاحبؒ شوکانی کے استدلال سے اتنے متاثر ہوئے کہ قرآن سے انہیں بھی چار سے زیادہ بیویوں کی حرمت ثابت ہوتی نظر نہ آئی لیکن دل یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ چار سے زیادہ جائز قرار پائے، لہٰذا اس کی راہ یوں نکالی:

فالاولیٰ ان یستدل علی تحریم الزیادۃ علی الاربع بالسنۃ لا بالقرآن (فتح البیان ج ۲ ص ۱۲۵)

زیادہ مناسب یہی ہے کہ چار سے زیادہ کی حرمت کا استدلال سنت سے کیا جائے نہ کہ قرآن سے۔

لیکن بات پھر بھی نہ بنی۔ شوکانی تو صاف لکھ رہے ہیں کہ وخالفہ ایضاً فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو خود حضور کی فعلی سنت کے خلاف ہے۔ رہی قولی حدیث جیسے حدیث غیلان وغیرہ تو اس کے متعلق ابن عبد البر کہہ چکے ہیں کہ معلولۃ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چار سے زیادہ بیویاں کرنے کی حرمت نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے نہ اجماع اُمت سے۔ جس کھونٹے پر یہ حضرات ناچ رہے تھے وہ جڑ سے اُکھڑ کر ختم ہو گیا۔ لہٰذا یہ استدلال بھی اب بے معنی ہو گیا کہ چار کی تحدید صرف دنیا میں تھی اور جنت میں نہیں۔ ہمارے مولانا ڈؔ کو مبارک ہو کہ امام شوکانی نے ان کے لئے دنیا ہی کو جنت بنا دیا ہے۔

پھر عرض کرتا ہوں کہ خفگی مجھ پر نہ فرمائیے گا۔ اگر غصہ آئے تو امام شوکانی پر اُتارئیے۔ وہی تو وہ ظالم امام ہے جس نے حرمت غنا کی ساری روائتوں کو بالکل موضوع قرار دیا ہے جیسا کہ ہم پچھلے نمبر میں واضح کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس پر دوہرا غصہ اُتارئیے لیکن مجھے الگ رکھ کر۔

جوازِ غنا پر اجماع ۔ ذرا یہ طرفہ تماشا ملاحظہ ہو کہ جس چیز (چار سے زیادہ بیویاں کرنے) پر سرے سے کوئی اجماع

اُمت نہیں وہ بھی ان مولاناؤں کے نزدیک قطعاً حرام ہے اور جس چیز (سماع غنا) کی حلت پر اجماع اُمت ہے وہ بھی ان کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔ حلت غنا پر اجماع کا دعوےٰ میں نہیں کر رہا ہوں۔ لہٰذا اس معاملے میں بھی اگر غصہ آنا ہو تو شیخ محمد بن احمد مغربی طیونسیؒ پر اُتاریئے جو اپنی کتاب فرح الاسماع مطبوعۂ انوار محمدی لکھنوی صفحہ ۱۲ تا ۱۶ میں لکھتے ہیں :

من لہٗ اتساع علی ذوق ومشرب ورقۃ قلب ادرک معنی السماع ومن حرّم ذلک فھو حمار ولا یعقلھا الا العالمون۔ ومن الادلۃ التی ذکرھا الاجماع علی تحلیل السماع مطلقا قالوا وذلک لانہ اشتھر من فعل عبد اللہ بن جعفر الھاشمی وعبد اللہ بن الزبیر وغیرھما وانتشر ذلک فی الصحابۃ فی خلافۃ علیٍ ومن معاویۃ ولم ینکر ذلک احد ولو کان محرما لانکرہ علی فاعلہ وھذا ھو الاجماع السکوتی۔

جس کے اندر ذوقِ سلیم، وسیع المشربی اور دردِ دل ہو وہی سماع سے لطف اندوز ہو سکتا ہے اور جو اسے حرام کہتا ہے وہ گدھا ہے۔ اس کو اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی مطلق حلت پر اجماع اُمت ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر کے عمل سے واضح ہے اور یہ حضرت علی اور امیر معاویہ کے عہد میں صحابہ کو عام طور پر معلوم تھا اور کسی نے بھی اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اس پر قطعاً نکیر ہوتی۔ لہٰذا اسے "سکوتی اجماع" تصور کرنا چاہیئے۔

فرمائیے، اجماع حلت پر ہوا یا حرمت پر؟ اور حرام کہنے والے اپنے متعلق وہی لقب پسند فرمائیں گے جو شیخ طیونسی نے تجویز کیا ہے؛ اجماع اُمت یا اجماع صحابہ کی ایک دلیل اور آگے بھی مذکور ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔

آگ کی سزا

پھر محترم مراسلہ نگار صدق کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ یہاں دنیا میں جانوروں تک کو آگ کی سزا دینے سے منع کیا گیا ہے اور وہاں انسانوں کو آگ میں جلایا جائے گا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ہم نے کہا تو یہ تھا جو چیزیں جنت میں حلال ہوں گی وہ یہاں بھی حلال ہی ہیں۔ اس کا جواب یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہاں آگ میں جلانا حرام ہے اور وہاں ــــ (گویا جنت میں) ــــ انسانوں کو بھی آگ میں جلایا جائے گا۔ اگر واقعی مولانا کا یہی مطلب ہے تو ایسی جنت مولانا ہی کو مبارک ہو۔ تعصب اور غلو میں ایسی بے ربط باتیں نکل جایا کرتی ہیں جو قابلِ معافی ہیں۔ پھر ایک عجیب قسم کی بے ربطی ملاحظہ ہو۔ ہم گفتگو کر رہے ہیں انسانوں کی اور جواب دیا جا رہا ہے خدا کے متعلق۔ مولانا یا تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے یہاں ہمارے لئے کسی جاندار کو آگ میں جلانا حرام ہے اور قیامت میں ہمارے لئے انسانوں کو آگ میں جھونکنا بالکل حلال ہوگا۔ یا پھر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ خدا کے لئے یہاں آگ میں جلانا حرام ہے اور وہاں حلال ہو جائے گا۔ مثال دیتے وقت آخر کچھ تو

عقل پر زور دینا چاہیئے۔۔۔ اور ذرا یہ بھی فرمائیے کہ سیدنا علیؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جنہوں نے نصیریوں کو زندہ آگ میں جلوا دیا تھا؟ اور اس حدیث کے متعلق کیا ارشاد ہے کہ خلاف وضع فطری عمل کرنے والے کو آگ میں جلا دو؟

اور بالکل یہی انداز محترم مدیر "صدق جدید" نے اپنے محاکمانہ نوٹ میں اختیار فرمایا ہے کہ دیکھئے وہاں نہ نماز پنجگانہ ہوگی نہ استقبال قبلہ، نہ وضو اور روزۂ رمضان ہوگا۔۔۔ یعنی یہ سب باتیں یہاں حلال اور وہاں حرام ہیں یا یہاں حرام اور وہاں حلال ہیں۔ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں؟ اگر مقصود یہ بتانا ہے کہ یہاں کی دنیا اور وہاں کی دنیا الگ الگ قسم کی ہے تو ہم نے کبھی نہ اس سے انکار کیا ہے نہ ایسا کوئی ارادہ ہے۔ گفتگو تو صرف یہ ہے کہ کیا یہاں کا حرام وہاں حلال اور یہاں کا حلال وہاں کا حرام ہو جاتا ہے؟ اس کے جواب میں جتنی مثالیں دی گئی ہیں وہ سب کی سب بے جوڑ ہیں جس کی تشریح اوپر گزر چکی۔

تفسیر زجاج ہم نے لکھا تھا کہ صاحب تاج العروس نے تحبرون کی تفسیر زجاج نے نغمۂ بہشت سے کی ہے۔ اس کے جواب میں مراسلہ نگار صدق نے اپنا سارا زور اس پر صرف کر دیا ہے کہ لسان العرب میں چونکہ زجاج کی تفسیر میں لفظ قیل آگیا ہے لہٰذا ذیل کے سارے لغات میں بھی اگر اس لفظ کے معنی نغمہ و سرود لکھے ہوں تو خواہ وہاں قیل لکھا ہو یا نہ لکھا ہو وہاں قیل ماننا پڑے گا۔ تفسیروں میں جہاں یہ لکھا ہو کہ وقیل نسخت وہاں مولانا فوراً اس آیت کو منسوخ مان لیں گے۔ لیکن اگر لغت میں قیل لکھا ہو تو قیل وقال شروع فرما دیتے ہیں مولانا کو یہ علم ہوگا کہ قیل ہر جگہ تمریض کیلئے نہیں آتا۔ لغت میں عموماً یہ لفظ قال بعض اللغویین کے معنوں میں آتا ہے لغت لکھنے والے کو نام یاد نہیں ہوتا یا وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تو قیل لکھ دیتا ہے لیکن یہ بھی ویسا ہی مستند ہوتا ہے جیسا قال۔ دیکھا صرف یہ جاتا ہے کہ یہ قال اور قیل لکھنے والا خود مستند ہے یا نہیں۔ اگر وہ مستند ہے تو اس کا قیل بھی مستند ہے۔ قرآن میں کم از کم پچاس جگہ قیل آیا ہے اور ہر جگہ اس کا وہی وزن ہے جو قال کا ہے۔ قیل بنوح۔۔۔۔ قیل یارض۔۔۔۔ قیل ادخلوا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ اسے بھی صیغۂ تمریض نہ قرار دے دیں۔

اچھا فرض کیجئے گیارہویں صدی کے سید شریف مرتضیٰ الحسینی سے آٹھویں صدی کے ابن منظور زیادہ مستند ہیں اور انہوں نے حبرہ کی یہ تفسیر زجاج کی زبانی قیل فرما کر نقل کی ہے تو سوال یہ ہے اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ "حبرہ" کے معنی نغمہ و سرود کے نہیں ہیں؟ ہم نے آخر دوسرے لغات کا بھی تو حوالہ دیا ہے انکے لغوی معنی میں تو قیل نہیں لکھا ہے۔ ایک مزید حوالہ منتہی الارب کا بھی لے لیجئے۔ وہ اس کے معنی لکھتے ہیں:

زردی دنداں و نعمت و سرود بہشت و نغمۂ نیکو و مبالغہ در چیزے خوب و شادی و نشاط و فراخی عیش۔

البستان، المنجد اور اقرب الموارد کے حوالے ہم پہلے دے چکے ہیں ان میں سے ایک نے بھی قیل نہیں لکھا ہے۔ اہلِ لغت جب کسی معنی کو ضعیف سمجھتے ہیں تو اسے ھذا اشاذ، غیر فصیح، مرجوح، ضعیف وغیرہ لکھ کر وضاحت کر دیتے ہیں۔ اگر ابنِ منظور نے زجاج کا قول قیل کہہ کر نقل کیا ہے تو اس کا تعلق فقط تفسیر آیت سے ہے۔ لفظ حبرہ کے لغوی معانی سے ذرا بھی اس قیل کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ معانی اپنی جگہ اسی طرح قائم ہیں اور قائم رہیں گے۔ اس پر اس قیل کا مطلقاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تحقیق حبرہ ہم نے حَبْرہ کے معنی متعدد لغات کے حوالے سے اچھے گانے لکھے ہیں اور حدیث لحبّرتہٗ لک تحبیراً کو بھی اس کی سند میں پیش کیا ہے۔ مراسلہ نگار صدق نے بھی یہاں آواز میں حسن اور گداز پیدا کرنے کے معنی کو تسلیم کیا ہے۔ صاحب لسان سے اس کے معنی "کل ما حسن من خط او کلام او شعر او غیر ذلک" نقل کئے ہیں یعنی ہر تحریر، کلام یا شعر یا "دوسری چیز" جس میں حسن پایا جائے۔ یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے بعد ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ گانے میں بھی کوئی حسن ہو سکتا ہے۔ اللہ رے غنا سے عناد۔ اس کے بعد کی تحقیقِ انیق، سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ تحسینِ صوت اور گانے میں بڑا فرق ہے۔ یعنی شاید یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شعر خوش الحانی سے پڑھے تو وہ صرف تحسینِ صوت یا خوش آوازی ہے اور اگر شعر پڑھتے وقت گدھے کی طرح رینکنا شروع کر دے تو اسے غنا کہتے ہیں۔ خوش آوازی تو جائز ہے جو حضورؐ کو پسند تھی۔ اور جہاں بدآوازی پیدا ہوئی اور وہ غنا ہو گیا۔ لہٰذا حضورؐ نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔

منتہی الارب میں الغناء کے معنی یہ لکھے ہیں: آواز خوش کہ طرب انگیز د و سرود۔ مگر مولانا کا ارشاد ہے کہ آواز خوش اور چیز ہے اور غنا دوسری چیز۔

مولانا کی یہ جرأت بھی قابلِ داد ہے کہ ہم حبرہ کی تفسیر احادیث سے پیش کر رہے ہیں اور وہ اس کے مقابلے میں آدھی حدیث لیتے ہیں اور آدھا لُغت۔ لحبّرتہ لک تحبیرا کی تفسیر اس سے متصل الفاظ سے کیجئے۔ حضورؐ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا تھا کہ: لقد اوتیت مزماراً من مزامیر آل داؤد۔ تمہیں تو مزمارِ داؤد کا ایک حصّہ عطا ہُوا ہے۔ اسی کے جواب میں ابو موسیٰ نے عرض کیا لو علمت لحبرتہ لک تحبیراً۔ اگر مجھے علم ہوتا تو میں اور "تحبیر" کے ساتھ پڑھتا۔ ظاہر ہے کہ یہ تحبیر کسی طرح مزمور و مزمار داؤد سے الگ نہیں کی جا سکتی۔ مزمار اور مزمور کی تحقیق "اسلام اور موسیقی" میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں صرف اتنا سُن لیجئے کہ علامہ عینی محدث حنفی فرماتے ہیں:

عن عبید بن عمیر قال کان لداؤد علیہ السلام معزفۃ یتغنّی علیہا و یبکی و یبکی۔ (ج ۹ صفحہ ۳۲۹)

حضرت داؤد کے پاس باجا بھی تھا جس پر گاتے تھے۔ خود بھی روتے تھے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے۔

اور بالکل یہی الفاظ فتح الباری ج ۹ صفحہ ۶۳ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھے ہیں۔
نیز امام شوکانی اپنے رسالۂ سماع میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق عبداللہ بن عمر سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں:
ان داؤد یاخذ المعزفۃ فیضرب بھا ویقرأ علیھا۔
حضرت داؤد باجا بجا کر اس پر (زبور) پڑھا کرتے تھے۔

ہم اس نفسی کیفیت اور ذہنی اذیت کے لئے معافی چاہتے ہیں جو مولانا اور ان کے ہم مشربوں کو یہ روائتیں سُن کر ہو رہی ہوگی۔ کیونکہ نہ تو وہ ان روائتوں سے انکار کی جرأت کر سکتے ہیں اور نہ ان کا یہ دل گوارا کرتا ہے کہ غنا اور مزامیر جیسی "حرام چیزوں" کا انتساب ایک جلیل القدر پیغمبر کی طرف ہو۔ ہم نے تو یہ روائتیں صرف اس لئے لکھی ہیں کہ مزمارأ من مزامیرال داؤد کا مطلب آئینے کی طرح سامنے آجائے اور اسی آئینے میں لحبرتہ لک تحبیرا کی تصویر و تفسیر بھی نظر آجائے۔ اس سے صرف اسی قدر استفادہ مقصود ہے کہ مولانا کی یہ تحقیقِ انیق بھی نکھر کے سامنے آجائے کہ خوش آوازی اور غنا میں بڑا فرق —— حلال و حرام کا فرق —— ہے۔

مولانا کے خیال میں ہم نے حبرہ کے معنی نغماتِ بہشت لے کر اتنا بڑا ناقابل معافی جرم کیا ہے جو ان کے بقول "کھلی ہوئی تحریفِ قرآن" ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے نزدیک انبیائے کرام جھوٹ بول سکتے ہیں۔ رسول اللہ کعب بن اشرف اور ابو رافع کو دھوکے سے بغیر جنگ کے قتل کرا سکتے ہیں۔ رسولِ خدا پر جادو چل سکتا ہے۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ خود خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور دوسرے خاتم النبیین بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں العیاذ باللہ ان کے نزدیک ممکن نہیں بلکہ جائز ہیں لیکن گانا اتنا زیادہ حرام اور قریب بہ کفر و شرک ہے کہ نہ یہاں جائز ہے نہ جنت میں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک محترم دوست نے تو اپنے رسائل و مسائل میں استمنا بالید، وطی فی الدبر اور متعہ تک کے جواز کی راہیں تلاش کر لی ہیں اور اب ماشاءاللہ جھوٹ کو بھی مصلحت —— الیکشن —— کے لئے کتاب و سنت سے واجب ثابت فرما دیا ہے لیکن جہاں غنا کا لفظ آگیا اور سارا اسلام خطرے میں پڑ گیا۔ غنا سے عناد کی آخر کوئی حد بھی ہونی چاہئے۔ محض اپنے ذوق اور ذاتی خیالات کو حلت و حرمت کی اساس قرار دینا ایک ایسی دینی منطق ہے جس کے فہم سے فی الواقع ہم قاصر ہیں۔

نہ من تنہا... حبرہ کے معنی نغمہ اور خصوصاً نغمۂ بہشت لینے کا جرم تنہا ہم ہی نے نہیں کیا ہے کچھ اور حضرات بھی اس "گناہ" کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ابھی ابھی ہم نے کراچی میں ایک قلمی کتاب "جلاء الصدی فی سیرۃ امام الہدی" دیکھی ہے جو حضرت سید احمد الکبیر الرفاعی کے حالات میں لکھی گئی۔ اس کے مؤلف شیخ تقی الدین عبدالرحمان بن عبدالمحسن الواسطی ہیں۔ کتاب ۷۵۲ھ میں لکھی گئی ہے۔ سید احمد کبیر شافعی المذہب ہیں۔ سلسلۂ رفاعیہ کے سرخیل ہیں۔ ۵۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۸ھ میں وفات ہوئی ہے۔ ان کا سلسلۂ رفاعیہ نہ فقط ہندو

پاکستان میں بلکہ مصر، عراق، اردن، عدن، شام اور انڈونیشیا وغیرہ تمام میں پھیلا ہوا ہے۔ کتاب میں سماع پر بھی ایک باب ہے جہاں سید احمد کبیرؒ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ثم قال ای سادہ اخبر العزیز سبحانہ عن السماع فی الکتاب المجید لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ تعالی فھم فی روضۃ یحبرون قیل یسمعون السماع۔ وقال بن عباس رضی اللہ عنہ فی تفسیر ھذہ الآیۃ اذا کان یوم القیمۃ ودخل اصحاب الجنۃ الجنۃ واصحاب النار النار امر اللہ منادیا ینادی یاداؤد ارق علی کرسک واسمع الناس .... وقال مجاھد فی روضۃ یحبرون ان السماع من الحور العین بالاصوات الشھیۃ والالحان الطیبۃ یقلن: نحن الخالدات فلانموت ابدا الخ

اس کے بعد حضرت سید احمد کبیر رفاعی نے فرمایا کہ میرے محترمو! اللہ نے بھی اپنی کتاب مجید میں اپنے نبی کو سماع کی خبر دی ہے اور وہ یہ آیت ہے فھم فی روضۃ یحبرون۔ اس کے معنی یہ بھی بتلائے گئے ہیں کہ اہلِ جنت وہاں گانے سنیں گے۔ عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ جب بروزِ حشر جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ ایک منادی کے ذریعے حضرت داؤد کو حکم دے گا کہ اپنے تخت پر بیٹھ کر گانا سناؤ ....

نیز مجاہد نے یحبرون کے یہ معنی کئے ہیں کہ کشادہ چشم حوریں مرغوب (ہیجان انگیز) آوازوں اور عمدہ لہجوں کے ساتھ گانے سنائیں گی۔ وہ گانا یہ ہوگا: نحن الخالدات الخ

سرخیل سلسلۂ سہروردیہ حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی کتاب مواد المریدین کی شرح (قلمی) ملا علی قاری نے لکھی ہے۔ اس کے صفحہ ۲۴۶ میں لکھتے ہیں:

فھم فی روضۃ یحبرون ای یستمعون من الحور العین باصوات شھیۃ نحن الخالدات الخ

افسوس یہ ہے کہ اس میں حوالے درج نہیں کہ ابنِ عباس اور مجاہد کی یہ تفسیریں کہاں ہیں؟ اس لئے ہم اسکی صحت کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ مجاہد سے دوسری تفسیر ینعمون منقول ہے جس کا ذکر آگے ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مجاہد سے دونوں ہی تفسیریں منقول ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

---

[۱] و [۲] اصل کتاب میں یہ دونوں لفظ لام تعریف کے بغیر لکھے ہیں جو یقیناً کتابت کی غلطی ہوگی۔

لیکن اگر ابن عباس اور مجاہد کا یہ قول ثابت نہ بھی ہو تو اتنا تو بہر حال ثابت ہے کہ حضرت سید احمد کبیر رفاعی بھی اس آیت کے معنی بہشتی نغموں ہی کے لیتے ہیں۔ ہماری جرأت تو نہیں ہو سکتی لیکن آپ کا دل چاہے تو شوق سے ان کے اور شیخ سہروردی یا ملا علی قاری کے متعلق بھی کھلی ہوئی تحریف قرآن کا اعلان فرما دیجئے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی حضرت سید احمد کبیر رفاعی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ :

السماع داعیة الی الحق وھو من جملة القربات۔

سماع داعی الی الحق اور تقرب الی اللہ کا ایک ذریعہ ہے۔

یہ لیجئے ایک کھلی ہوئی تحریف قرآن کرنے والا اور بھی پیدا ہو گیا۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۴۲۸ ملاحظہ ہو

قال مجاهد و قتادة ینعمون و قال یحیی بن ابی کثیر یعنی سماع الغناء

مجاہد و قتادہ یحبرون کے معنی ینعمون کے بتاتے ہیں اور یحیٰ بن ابی کثیر نے اس کے معنی گانا سننے کے بتائے ہیں۔

مولانا کو افسوس رہا ہو گا کہ اور بھی "محرفین قرآن" پیدا ہوتے جا رہے ہیں اور لطف یہ ہے کہ یہاں "قیل" بھی نہیں۔ دیکھئے شاید لسان العرب میں کوئی قیل کا سہارا مل جائے۔

تفسیر مواہب الرحمان میں ہے :

.... مسرور ہوں گے فیعنی نعمت میں خوش حال ہوں گے۔ یہ قول مجاہد و قتادہ ہے۔ یحیٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ وہاں حقیقی غنا سے مسرور ہوں گے۔ (غالباً کوئی پہلو بچانے کے لئے "حقیقی" کا لفظ زیادہ کر دیا ہے)

یہ لیجئے مراسلہ نگار "صدق" کی اپنی اصطلاح میں ایک "محرف قرآن" اور بھی ملاحظہ فرمائیے۔ صاف کشاف (زمخشری) یحبرون کی تفسیر مختلف لوگوں سے یوں نقل فرماتے ہیں :

عن مجاهد رضی اللہ عنہ : یکرمون۔ وعن قتادة : ینعمون۔ وعن بن کیسان : یحلون وعن ابی بکر بن عیاش : التیجان علی رؤسهم۔ وعن وکیع : السماع فی الجنة۔

مجاہد سے یحبرون کے معنی یہ منقول ہیں کہ اہلِ جنت کا اعزاز کیا جائے گا۔ قتادہ اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ ان کو نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ ابن کیسان کہتے ہیں کہ انہیں زیوروں سے آراستہ کیا جائے گا۔ ابو بکر بن عیاش کا کہنا ہے کہ اُن کے سروں پر تاج رکھے جائیں گے اور وکیع کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنت کے نغمے ہیں۔

اس کے بعد صاحب کشاف نے دو مجروح روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک ابو درداؓ سے اور دوسری ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ جنت میں عورتوں کے گانے بھی ہونگے اور گھنگرو بھی بجیں گے۔

پھر حاشیے پر بغیر کسی جرح کے ایک اور روایت مجاہد سے یوں درج ہے:

رادی اسحاق فی مسندہ من روایۃ مجاھد قیل لابی ھریرۃ "ھل فی الجنۃ سماع؟" قال نعم..........

اسحاق اپنی مسند میں مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا جنت میں سماع بھی ہوگا؟ آپؓ نے جواب دیا کہ ہاں ہوگا..... (جنت کے سیم و زر کے درخت میں زبرجد اور یاقوت کے پھل آپس میں ٹکرا کر حسین ترین نغمے پیدا کرینگے)

اسی سلسلے میں حضرت علیؓ سے بھی ترمذی میں ایک مرفوع روایت یوں ہے:

ان فی الجنۃ لمجتمعا للحور العین یرفعن باصوات لم تسمع الخلائق بمثلھا یقلن: نحن الخالدات فلا نبید.........

حضورؐ نے فرمایا کہ جنت میں ایسا اجتماع ہوگا جس میں حوریں بلند آواز سے یہ گائیں گی نحن الخالدات الخ...... ایسی آواز دنیا نے کبھی نہ سُنی ہوگی۔

بالکل اسی مضمون کی روایت مجاہد کی زبانی ہم اوپر جلاء الصدی کے حوالے سے بھی نقل کر چکے ہیں۔

حضرت علی اور حضرت مجاہد کی ان روایتوں سے واضح ہے کہ جنّت میں نغمے ہونگے۔ اور جب جنّت میں نغمے ہونگے تو مجاہد، یحییٰ بن ابی کثیر اور وکیع سے یحبرون کی جو تفسیر منقول ہے یعنی "جنّتی نغمات" (مع مزامیر) اسے محض لسان العرب کے ایک عدد قیل سے غلط ٹھہرانا بجائے خود ہی غلط ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یحبرون کی تفسیر غنائے جنت کرنے میں ہم منفرد نہیں بلکہ مجاہدؒ، ابنِ عباسؓ، یحییٰ بن ابی کثیر اور وکیع وغیرہم کے علاوہ سید احمد کبیرؒ، شیخ ابو النجیب سہروردی اور ملا علی قاری سب ہی نے یہ تفسیر کی ہے اور مرقومۂ بالا روایات سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔

محترم مراسلہ نگارِ صدق نے مولانا اشرف علی مولانا محمود الحسن، مولانا نذیر احمد کے ترجمے دئے ہیں کہ.... ان کی آؤ بھگت ہوگی، عزّت کی جائے گی، خاطر داریاں ہو رہی ہوں گی..... اکرام کیا جائے گا۔

نہایت ادب سے گزارش ہے کہ ہم نے سب سے پہلے مضمون..... "قرآن میں ذکرِ موسیقی" میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہم دوسرے ترجموں کو غلط نہیں کہتے۔ حبرہ کے معنی میں یہ سب معانی داخل ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ آپ ہمارے بتائے معنی کو کس بنیاد پر غلط کہنے کا حق رکھتے ہیں اور یہ وحی کب نازل ہوئی ہے کہ جو ترجمے مذکورۂ بالا مفسرین

کرچکے ہیں ان کے علاوہ ہر ترجمہ غلط ہے۔ آپ جس زور سے ان مفسرین کے ترجمے پیش کر رہے ہیں اسی زور سے دوسرے ترجمے پیش کرنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟ اگر ابھی تک کسی نے وہ ترجمہ نہیں کیا ہے جو ہم کر رہے ہیں تو بسم اللہ اب کر لیجئے۔ ہم ان مفسرین و مترجمین کے مقابلے میں اپنی حقیر ذات کو پیش کرنا سوئے ادب سمجھتے ہیں لیکن مجاہد، یحییٰ بن ابی کثیر اور وکیع وغیرہ کی تفسیر کے سامنے اپنے پیش کردہ مترجمین کو پیش کرنا آپ بھی ویسا ہی سوئے ادب سمجھئے۔

علاوہ ازیں جو ترجمے آپ نے نقل کئے ہیں ان سے ہمارے ترجمے میں تناقض کیا پیدا ہوتا ہے؟ کیا "لغو" جنت کے اکرام یا خاطر داری یا آؤ بھگت یا مسرت کے خلاف ہیں؟ استقبالی گیت ہمیشہ سے اکرام اور آؤ بھگت ہی شمار ہوتے ہیں۔ خود حضور اکرم کا استقبال مدینہ منورہ میں گیت ہی سے کیا گیا تھا۔ گیت تھے:

طلع البدر علینا الخ

نحن جوار من بنی نجار الخ

محمد عبد صالح۔

اور محض گیت نہ تھے بلکہ دو چیزیں اور بھی تھیں۔ دف اور رقص۔ عورتیں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں اور حبشی رقص کر رہے تھے۔

عجیب استدلال مولانا نے بڑی تلاش کے بعد ایک حدیث دریافت کی ہے کہ: اذا سمع الغناء وضع اصابعہ فی اذنیہ (ابوداؤد) یعنی جب حضورؐ گانے کی آواز سنتے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔ اس کا مفصل جواب تو آپ کو آگے ملے گا کہ حضورؐ نے بار بار گانا اور وہ بھی اس وقت کے مزامیر یعنی دف پر سنا ہے فرمائش کرکے سنا ہے اور حکم دے کر دوسروں کو سنوایا ہے۔ یہ تمام تفصیلات اور صحاح وسنن کی قطعی الدلالہ روایات آگے آئیں گی اور مولانا کی اس کاوش بلیغ کا جواب وہیں خود بخود مل جائے گا۔ اس وقت تو صرف یہ عرض کرنا ہے اگر فی الواقع یہ حدیث آپ کے نزدیک قابلِ قبول ہے تو آپ بھی صرف اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیا کریں۔ لیکن دوسروں کو گانے سے یا گانا سننے سے روکنے کا ــــــ اور وہ بھی حرام بتا کر روکنے کا ــــــ آپ کو کیا حق حاصل ہے جبکہ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا؟

تغنّی فی القرآن اس روایت سے محترم مراسلہ نگار "صدق" نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تحسین صوت تو حضور کو مرغوب تھی اور اسی لئے جناب ابوموسیٰ اشعری کی تلاوتِ قرآن حضور کو بہت پسند تھی۔ رہا غنا یا تغنّی تو وہ اس قدر حرام ہے کہ جہاں کانوں میں یہ تغنّی آئی اور حضور نے کان بند کر لئے۔ لیکن انہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ اشعار تو اشعار ہیں خود قرآن میں بھی تغنّی سے مفر نہیں۔ صحاح وسنن کی یہ روایت تو نظروں سے گزری ہوگی کہ:

لیس منا من لم یتغنّ بالقرآن یجہر بہ۔ (رواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرہ)

جو قرآن کو باآوازِ بلند پڑھتا ہوا تغنی نہ کرے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔ مولانا جس غنا سے بھاگ بھاگ کر کانوں میں انگلیاں ڈلوا رہے تھے اب وہی اُمت محمدیہ سے خارج ہونے پر تلے ہوئے ہیں۔ کریں تو کیا کریں؟ غنا او رتغنی حرام۔ مگر قرآن میں یہی اتنا ضروری کہ قبول نہ کریں تو اُمتِ محمدیہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ بہرکیف عرض یہ کرنا تھا کہ جس اندازِ خوش الحانی کو ابو موسیٰ تحبیر سے تعبیر کر رہے ہیں اسی کو حضور تغنّی بالقرآن فرما رہے ہیں۔ مگر مولانا کا ارشاد ہے کہ نہیں تحبیر اور چیز ہے اور تغنی اور شے ہے۔ پہلی چیز حلال طیب ہے اور دوسری حرام مطلق۔ یہ تحقیق انیق فی الواقع بہت دلچسپ ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ تغنّی بالاشعار اور تغنّی بالقرآن میں فرق ہے اور یہ فرق عہدِ نبوّت سے آج تک قائم ہے اور آیندہ بھی قائم رہے گا لیکن تغنّی بہرحال موجود ہے۔ اس فرق سمجھنے کے لئے تھوڑا ذوقِ سلیم درکار ہے اور اسی سے اکثر منکرینِ سماع محروم ہوتے ہیں۔ ضرورت ہوگی تو اسے بھی عرض کر دیا جائے گا۔

مولویوں کی یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکی ہے کہ جب مؤذن بھیرویں یا بھیروں میں اذان کہتا ہے تو یہ جھوم جاتے ہیں اور جب اسی لہجے میں کوئی شعر پڑھا جا رہا ہو تو فوراً فتوائے حرمت صادر فرما دیتے ہیں اور اس میں اتنی شدت برتنے لگتے ہیں کہ دنیا تو دنیا ہے جنت میں بھی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جنت میں میخواری تو فرمائیں گے لیکن غناء ان کے ہاں اتنا زیادہ حرام ہے کہ جنت کی بادہ نوشی کی صف میں بھی اسے رکھنے پر راضی نہیں۔

اجماع صحابہ اور امر نبوی۔ مراسلہ نگار صدق نے بڑی مشکلوں سے ابوداؤد میں سے ایک روایت ڈھونڈی تو یہ کہ حضور جب گانا سُنتے تو کانوں میں اُنگلیاں ڈال لیتے تھے۔ ہم حلتِ غنا کی تمام روایات تو بعد میں پیش کرینگے۔ اس وقت صرف ایک نبوی جملے کی طرف توجہ دلانا ہے۔ صحاح و سنن کی ایک روایت کا خلاصہ یوں ہے کہ حضرت عائشہ نے ایک لڑکی کی شادی کر کے اس کے انصاری شوہر کے گھر رخصت کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ:

(۱) ما کان معکم من لھو فان الانصار یعجبھم اللھو (بخاری عن عائشہ)

تمہارے ساتھ کوئی لہو (گانا بجانا) نہ تھا؟ انصار کو تو لہو بہت مرغوب ہے۔

(۲) ارسلتم معھا من یغنّی ..... ان الانصار فیھم غزل فلو بعثتم معھا من یقول اتیناکم الخ (ابن ماجہ عن بن عباس)

کسی گانے والے کو اس کے ساتھ نہ کر دیا۔ ... انصار کو عورتوں کے گانے سے بڑی دلچسپی ہے۔ کاش اس کے ساتھ کوئی فلاں گیت گاتا جاتا۔

(۳) یا عائشۃ الا تغنین فان ھذا الحی من الانصار یحبون الغناء (ابن حبان عن عائشہ)

عائشہ تم نے گانے کا کوئی بندوبست نہ کیا؟ یہ قبیلہ انصار تو گانے کو بہت پسند کرتا ہے۔

(۴) فارسلت معها بغناء فان الانصار یحبونه ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فادرکیها یا زینب (امرأۃ کانت تغنی بالمدینۃ) (جواز السماع والمزامیر للمقدسی عن عائشہ)

کوئی گانے والا اس کے ساتھ نہ کر دیا۔ انصار کو تو گانا بہت پسند ہے۔ اے زینب! (مدینے کی ایک مغنیہ) جلدی جاکر دلہن کے ساتھ ہو جا۔

(۵) ھل بعثتم معها ضاربۃ تضرب بالدف وتغنی؟

تم نے اس کے ساتھ کوئی مغنیہ نہ کر دی جو ذرا گاتی بجاتی جاتی؟ (طبرانی فی الاوسط عن عائشہ)

اگر اسے متعدد واقعات تسلیم کر لیا جائے تو ہمیں کوئی عذر نہیں لیکن اغلب یہ ہے کہ یہ ایک ہی واقعے کی مختلف تعبیریں ہیں۔ ان سب روایتوں سے جو حقائق واضح ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

الف۔ انصار کو گانے بجانے سے (خواہ عورتوں کا گانا ہو) یا لہو سے بڑی دلچسپی تھی۔

ب۔ حضور کو اس کا پورا پورا علم تھا۔

ج۔ اس علم کے باوجود گانا نہ ہونے پر خاموشی اختیار نہیں فرمائی بلکہ تقاضا فرمایا کہ اس دلہن کے ساتھ کسی مغنی یا مغنیہ کو کیوں نہ بھیج دیا؟

د۔ یہ تقاضا صرف اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جبکہ یہ اباحت و جواز کی حد سے گزر کر "ضروری" کے کسی مرتبے پر ہو۔ ورنہ خاموشی سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی؟

ہ۔ اگر غنا میں عدم جواز کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو ہوتے ہوئے غنا کو حضور روک دیتے نہ یہ کہ نہ ہونے کی صورت میں ہونے کا تقاضا فرماتے۔

و۔ یہاں صرف غنا کا ذکر نہیں۔ مزامیر (دف) کا بھی ذکر ہے۔

ز۔ مہاجرین کے بعد انصار ہی کا درجہ ہے اور ان کے بے شمار فضائل ہیں۔ اس پورے گروہِ انصار کا ایک چیز کو پسند کرنا اور حضور کا اس پسند کو (تقاضے سے) باقی رکھنا عہدِ نبوت کا ایک ایسا اجماعِ صحابہ ہے جس کے خلاف کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

ح۔ حضور نے صرف سوال ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ایک مغنیّہ (زینب) کو حکم دیا کہ جلدی جاکر دلہن کے ساتھ مل جا یعنی گاتی بجاتی ہوئی اسے سسرال تک پہنچا دے۔

ط۔ حضورؐ کو مدینے کی اس مغنیہ کے عملی ذوق کا پورا علم تھا۔ اس کے باوجود حضور نے اسے اس سے روکا نہیں بلکہ اس موقع پر اسے اپنے فن سے کام لینے کا حکم دیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر امر لازماً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ صیغۂ امر نہیں ہوتا اور

وہاں وجوب کی شکل ہوتی ہے اور بعض مقامات پر امر ہونے کے باوجود وجوب نہیں ہوتا لیکن اس زیر بحث موقعے پر تو تمام قرائن اس حقیقت پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ گانا بجانا صرف اباحت کے اندر بند نہیں بلکہ مستحب و سنت سے گزر کر وجوب میں قدم رکھ چکا ہے۔ اگر ہم تعمیم کو سکیڑ سکیڑ کر اسے انتہا تنگ بھی کر دیں تو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں کہ :

۱۔ اگر موقع شادی بیاہ (یا کسی اور خوشی) کا ہو۔

۲۔ جہاں بارات جا یا آرہی ہو وہاں کے لوگ گانے بجانے کے شائق ہوں۔

تو گانا بجانا صرف سنت ہی نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے اور اگر اس کے نہ ہونے سے کوئی فتنہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا شمار واجبات میں ہے۔ ورنہ حسب موقع یہی غنا ناجائز بھی ہو سکتا ہے۔

اس زیر بحث روایت کو پیش نظر رکھئے اس کے بعد اس روایت کو سامنے لائیے جو صدق جدید کے مراسلہ نگار نے ڈھونڈ نکالی ہے۔ فیصلہ ہم خود مراسلہ نگار پر چھوڑتے ہیں۔ وہ خود سوچ لیں کہ جس غنا کو وہ ناجائز بتا رہے ہیں اور اسے حرام ثابت کرنے کے لئے غنا اور خوش آوازی کے فرق کا جو نکتہ انیقہ پیش فرما رہے ہیں اس کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

ہم آخر میں موصوف کے انتباہ کے لئے "بوارق الاسماع فی تکفیر من یحرم السماع" کے مصنف ابو الفتوح الغزالی کا قول نقل کئے دیتے ہیں :

فمن قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع حراما او مامنع عن السماع حراما او اعتقد ذلک فقد کفر بالاتفاق۔

جو شخص یہ کہتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ حضورؐ نے حرام سُنا اور حرام سُننے سے نہیں روکا تو وہ بالاتفاق مرتکب کفر ہوا۔

اور یہی کچھ امام غزالی کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

جو شخص دف پر گانا سننے کو حرام کہے اس نے حضورؐ کے فعل سے انکار کیا لہٰذا مرتکب کفر ہے (عقائد العزیز صفحہ ۱۳۲)

اور یہی انتباہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا تھا کہ :

اس قوم پر قہر الٰہی کیوں نہ نازل ہو جس کے سامنے (جواز غنا) کی حدیثیں پیش کی جائیں اور وہ اس کے مقابلے میں قول ابو حنیفہ کا مطالبہ کرے۔

ہم اہل علم اور دینداروں کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ آیندہ اس مسئلے میں ذرا سوچ سمجھ کر قدم اور قلم اٹھائیں اور اچھی طرح غور فرمالیں کہ غنا کو حرام بتا کر وہ کن کن ہستیوں کو مرتکب حرام قرار دے رہے ہیں؟ اور ان ہستیوں کو مرتکب حرام قرار دینے کے بعد ایمان کی کون سی رمق باقی رہ جائے گی؟

(باقی آیندہ)